

تنزیل و تاویل

برزخ

اشاعت گذشتہ میں "عالم برزخ" کے عنوان سے جناب مولانا اہم جبرائیل پوری کا طویل مضمون شائع کیا جا چکا ہے۔ ان کی کتاب "تعلیمات قرآن" پر تبصرہ کرتے ہوئے برزخ کے متعلق ان کی تاویلات پر میں نے قصصاً کوئی اظہار رائے نہ کیا تھا، کیونکہ رسالہ معارف میں اس متعلّق مضامین شائع ہو چکے تھے اور مجھے امید تھی کہ ان کو دیکھ کر مولانا نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا ہو گا۔ لیکن اب ان کے تازہ مضمون سے معلوم ہوا کہ انہیں ابھی تک اس رائے پر اصرار ہے۔ فریڈ برائن ان کو اس بات پر تعجب بھی ہے کہ میں (مدیر ترجمان القرآن) قرآن کی بیعت و نصرت و اشاعت کا مدعی ہونے کے باوجود ان حضرات کا ہم خیال ہوں جنہوں نے "معارف" میں ان کے خیالات کی تردید کی ہے۔ حالانکہ ان سے زیادہ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ جن خیالات کی تردید اتنے قوی دلائل سے کی جا چکی ہے، ان پر مولانا کو بھی تمک اصرار ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میں کوئی ایسی بات نہ کہہ سکوں گا جو حیات برزخیہ اور عذاب و ثواب برزخ کے حق میں نہ کہی جا چکی ہو۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ ہر قسم کی تلخ گفتاری سے پرہیز کر کے زیادہ سے زیادہ دلنشین انداز بیان کے ساتھ ان آیات قرآنی کی صحیح تاویل پیش کروں جن کے سمجھنے میں مولانا نے پے در پے غلطیاں کی ہیں۔ اس لیے کہ سابق مضامین میں اگر کوئی قصور تھا تو وہ ضرور یہی کہ ان کے لہجہ میں تلخی تھی جس سے مخاطب کی طبیعت مشتعل ہو کر مشاہدہ حق سے پھر جاتی ہے۔

برزخ کا مفہوم | سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ لغت کے اعتبار سے برزخ کا مفہوم کیا ہے۔ دو چیزوں کے درمیان جو چیز واقع ہو، اور ان کو باہم ملنے سے روک دے یا ان کو الگ الگ کر دے وہ عربی زبان میں

”برزخ“ کہلاتی ہے، خواہ وہ پردہ یا اوٹ ہو یا زمانہ یا کوئی اور شے۔ **بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ**۔ اور **جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّجْجُورًا** میں برزخ سے مراد وہ روک ہے جو دو سمندروں کو ملنے سے باز رکھتی ہے۔ ایک حدیث میں ذکر آیا ہے کہ **اِنَّهُ صَلَّى بِقَوْمٍ فَاَسْوَىٰ بَرْزَخًا** یعنی آپ نے ایک جماعت کو نماز پڑھائی اور قرآن پڑھتے پڑھتے ایک مقام سے سلسلہ منقطع فرما کر دوسرے مقام سے تلاوت شروع کر دی۔ یہاں اس حصہ کو جو چھوڑ دیا گیا تھا ”برزخ“ کے لفظ سے تبویر کیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وساوس کو برزخ الایمان کہا گیا ہے یعنی شک اور یقین کی درمیانی حالت۔ مفسرین و ائمہ اہل سنت نے برزخ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ البرزخ الحاجز والمہلة متقاربات المعنی (البرزخ ما بین کل شیئین من عاجز (نہایہ ابن اثیر) البرزخ الحاجز والمہلین المشیئین (راغب)۔

اصطلاحی معنی | اسی لفظ کو قرآن مجید نے اصطلاحاً اس مدت یا اس حالت کے لیے استعمال کیا ہے جو انسان کی موت سے لیکر قیامت کے دن تک جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے وہ خود اس کے اصطلاحی معنی کو واضح کرتی ہے۔ **حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ لِحَدَثِهِمْ الْمَوْتُ قَالَ** یہاں تک کہ جہان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو **رَبِّ اَرْجِعُوْنِ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا** کہتا ہے کہ پروردگار مجھے واپس کر دیجئے! امید ہے کہ میں **فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ مُّوَقَّاتٌ لِّمَا** اس زندگی میں جس کو چھوڑ آیا ہوں نیک عمل کرونگا۔ **وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ** ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے اور ان کے **(۶:۲۳)** آگے ایک برزخ ہے اس دن تک جب کہ وہ اٹھائے جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت سے روز قیامت تک جو کچھ ہے اس کا نام برزخ ہے۔ آپ چاہیں تو اسے روک یا آڑ کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر یہ آڑ ہے بھی تو میت اور دنیا کے درمیان ہے یا میت اور قیامت کے درمیان ہے۔ خدا اور بندے کے درمیان ہرگز نہیں ہے قرآن مجید میں کوئی اشارہ ایسا

نہیں ملتا جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ برزخ میں مردے اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں۔ **مخضن** ایک بے بنیاد قیاس ہے۔

برزخ کی کیفیت | اب سوال یہ ہے کہ برزخ کی کیفیت کیا ہے۔ آیا اس میں انسان کے لیے کوئی زندگی ہے یا نہیں؟ وہاں صالحین کے لیے کوئی راحت اور فاسقین کے لیے اذیت ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ برزخ میں نفس انسانی کس حال میں رہتا ہے؟

مولانا اہلم جیراج پوری کا دعویٰ یہ ہے کہ :-

۱۔ مرنے والے برزخ میں اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں اور صرف قیامت کے روزان کی پٹی ہوگی۔

۲۔ برزخ مطلقاً عالم مات ہے جس میں حیات علم احساس شعور کچھ نہیں ہوتا، اور اس لیے عذاب و ثواب راحت و اذیت بھی وہاں نہیں ہے۔

۳۔ برزخ میں رہنے سے مراد اللہ کے نوشتے میں رہنا ہے یعنی انسان اس دنیا میں آخری حالت میں کے بعد معدوم ہو جاتا ہے، اور صرف اس کا اندراج اللہ کے دفتر میں رہتا ہے پھر جب قیامت ہوگی تو ان سب کو دوبارہ زندہ پھا جاویگا جو اس دفتر میں مندرج ہیں پس موت سے لیکر قیامت تک نفس یا روح کی حالت ایک معدومیت اور فنایت کی حالت ہے، اور اس کے لیے اگر موجدیت ہے تو وہ صرف کتاب اللہ میں ہے۔ صرف وہ لوگ جو فی سبیل اللہ جگ کر کے مارے جاتے ہیں، اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ مرنے کے بعد

زندہ رہتے ہیں اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں نہیں رکھے جاتے، بلکہ اسی وقت حاضر کر دیے جاتے ہیں اور ان کو روزی ملنے لگتی ہے۔

ہم کو دیکھنا ہے کہ یہ دعویٰ قرآن سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں، اور قرآن مجید کی رو سے کوئی ایسا سوال کا صحیح حل کیا ہے؟

موت اور حیات کا مفہوم | اس بحث میں پہلا عل طلب سوال یہ ہے کہ زندگی اور موت سے کیا مراد ہے۔
قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ:-

كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ
يُحْيِيكُمْ (۲: ۳۰)۔
تم مردہ تھے پھر تم کو زندہ کیا، پھر وہ تمکو مارتا ہے پھر وہ
تم کو جلائے گا۔

اس آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ پہلی موت سے مراد وہ حالت ہے جو قالبِ خاکی میں نفعِ روح سے پہلے تھی جیسا کہ آیت وَبَدَأُ
خَلْقَ الْإِنسَانِ مِنْ طِينٍ..... ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ (۱: ۳۲) سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ پہلی زندگی سے مراد وہ حالت ہے جو جسم میں روح کے پھونکنے جانے کے بعد ہوتی ہے اور جس
میں انسان اپنے جسمانی کانوں سے سنتا، جسمانی آنکھوں سے دیکھتا اور جسمانی دل و دماغ سے سوچتا ہے اس کی
طرف بھی آیت مذکورہ بالا اشارہ کرتی ہے۔

۳۔ دوسری موت سے مراد وہ حالت ہے جو جسمِ خاکی سے نفس یا روح کے سلب کر لیے جانے کے بعد
ہوتی ہے۔ اللہُ يَتَوَفَّى الْآنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا (۵: ۳۹) اور وَكُلُّ نَفْسٍ إِذَا الظَّالِمُونَ فِي
نَعْمَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ خِرَاجًا أَنْفُسَكُمْ (۱۱: ۶) اس کی دلیل

۴۔ دوسری زندگی سے مراد وہ حالت ہے جس میں قیامت کے روز وہی جان جو موت کے وقت
جسم سے نکالی گئی تھی دوبارہ جسم میں پھونکی جائیگی۔ اس پر وَإِنِ النَّفْسُ لِرُوحِهَا لَرُجُوعًا (۸۱: ۸) اور لَمَّا
بَدَّلْنَاكُمْ آوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ (۴: ۲۱) اور ایسی ہی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔

جسمانی موت کے بعد روحانی زندگی | اس معلوم ہوا کہ قرآن مجید نے عموماً موت سے جسم و روح کا انفصال
اور زندگی سے جسم و روح کا اتصال مراد دیا ہے لیکن اس معنی میں جس حالت کو وہ موت کہتا ہے اس

مراد عدم نہیں ہے بلکہ وہ بھی ایک طور کی زندگی ہے جس میں روح بولتی اور سنتی اور شعور و ادراک رکھتی ہے چنانچہ خود قرآن مجید سے اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ دیکھیے پہلی موت کے دور کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ:-

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا

اور جب کہ تیرے رب نے بنی آدم سے ان کی پٹھوں میں سے
انکی ذریعت کو نکالا اور خود ان کے اوپر ان کو گواہ بنایا کہ کیا
میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا ہاں، ہم گواہ ہوئے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رو میں جسموں میں پھونکی نہ گئی تھیں، اور جب کہ ان پر موت طاری
تھی اس وقت بھی وہ اس معنی میں مردہ نہ تھیں کہ ان میں سماعت اور گویائی اور علم و شعور نہ تھا جو تعالیٰ نے
ان سے جو سوال کیا اس کو انھوں نے سنا، اس کا جواب دیا، اور جواب علم کی بنا پر دیا۔ پس وہ موت محض
اجساد سے جدائی کا اعتبار کرتے ہوئے تھی۔ ورنہ حقیقت میں وہ بھی زندگی ہی تھی، کیونکہ علم اور سمع اور گویائی
کی صفات زندگی ہی میں پائی جاتی ہیں۔

پھر دوسری موت کی حالت میں بھی ارواح کا ان اوصاف سے متصف ہونا، قرآن مجید کی
تعدد آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ فرمایا:-

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
رَبِّ اجْعَلْنِي لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا
فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا
وَمِنْ وَرَاءِ يَهُرُّمُ بَرَزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ
کہتا ہے کہ پروردگار! مجھ کو واپس کر دیجئے۔ امید ہے کہ میں
اس زندگی میں جس کو میں چھوڑ آیا ہوں نیک عمل کروں گا
ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے اور ان کے آگے بڑھنے

اٹھائے جانے کے دن تک۔ (۶:۲۳)

اس آیت میں اجْعَلْنِي اور فِيمَا تَرَكْتُ اور مِنْ وَرَاءِ بَرَزَخٌ کے الفاظ سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر اس حالت کا ہے جب دنیا چھوٹ چکی ہے، برخ اس کے اور دنیا کے دریا

حائل ہو چکی ہے اور دنیا میں رہنے کا نہیں بلکہ دنیا میں واپس جانے کا منہ دہرا ہے۔ اس حالت میں انسان اپنے رب سے کلام کرتا ہے اور دنیا میں واپسی کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں خود کو جلا کے جذبات ہوں گے اپنی دنیوی زندگی کے کارنامے اس کو یاد ہوں گے، ان پر ندامت اور مستقبل کے خطرات کا احساس ہوگا، اپنے پروردگار کو وہ جانتا ہوگا، اور اس میں گویائی کی قوت بھی ہوگی جیسی تو وہ ایسی بات کہے گا۔ کیا یہ مطلق عالم مہمات ہو سکتا ہے جس کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں حیات کا کوئی شائبہ نہیں؟

دوسری آیات بھی اس کی تائید کرتی ہیں :-

وَأَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَقْتُ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ (۲:۶۳)

اور خرچ کرو اس رزق میں سے جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے پھر وہ کہے کہ پروردگار کاش تو مجھے تھوڑی مہلت اور دیتا کہ میں خیرات کرتا اور صالحین میں سے ہوتا۔

وَالَّذِينَ تَوْفَّعْتُمُ الْمَلَائِكَةُ طَائِفَتًا لَّقِيَهُمْ قَالُوا ائْتِمُّوا كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتَمَّاجِرُوا فِيهَا (۱۲:۴)

جن لوگوں کی جانیں ملائکہ نے اس حال میں قبض کیں کہ وہ انکار کی سرزمین میں رہ کر اپنے اوپر آپ ظلم کر رہے تھے ان سے ملائکہ نے کہا کہ تم یہ کس حال میں پڑے ہوے تھے انہوں نے کہا کہ ہم زمین میں بے بس تھے فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَقَّعُهُمْ قَالُوا إِنَّمَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَيْنَا فَنَبِّئْهُمْ

یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرستائے ان کی روح قبض کرنے کو پہنچ گئے تو کہا کہ کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جن کو تم خدا کے سوا پکارتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ وہ ہمارا

أَتَهُمْ كَانُوا أَكْفَرِينَ قَالَ أَذْخُلُوا فِي آسَمٍ
 قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْإِنْسِ فِي
 النَّارِ (۴:۷)

ساتھ چھوڑ گئے اور انہوں نے اپنے اوپر گواہی دی کہ وہ
 کافر تھے۔ خدا نے کہا کہ تم بھی ان قوموں کے ساتھ
 آگ میں داخل ہو جاؤ جو از تم جن انس تم سے پہلے گزر چکی ہیں
 جن لوگوں کی جانیں ملائکہ اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ
 پاک تھے تو ان سے کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو جنت میں داخل ہو
 اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم کرتے تھے۔

الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ
 سَلَامٌ عَلَيْكُمْ أَذْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
 (۴:۱۶)

جن لوگوں کی جانیں ملائکہ اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ
 وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرنے والے تھے تو وہ ان سے دو تالی
 ڈالیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو کوئی برا عمل نہ کرتے تھے۔
 کہا جائیگا کہ ہاں خدا جانتا ہے جو کچھ تم کرتے تھے پس تم جہنم

الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ
 فَأَلْقَوْا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ بَلَى
 إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ فَاذْخُلُوا
 أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا (۴:۱۶)

وروزوں میں داخل ہو جاؤ تم ہمیشہ رہو گے۔
 اور کاش تو دیکھتا جب کہ ملائکہ ان لوگوں کی جانیں قبض
 کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا ہے، وہ ان کو آگے اور پیچھے سے
 مارتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ خدا بے زخ کے نرے چھوڑے

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ
 يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَذْ بَارَهُمْ وَ
 ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ (۷:۷)

یہ اور ایسی ہی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عرف عام میں جس انفسال فتح و پیغم
 لفظ موت کا اطلاق ہوتا ہے وہ ایسی موت نہیں ہے جس میں مطلق کسی قسم کا احساس و شعور اور شاہدہ حیات موجود
 نہ ہو۔ برعکس اس کے اس حالت میں بھی روح میں زندگی کے وہ تمام آثار موجود ہوتے ہیں جو جسمانی زندگی
 میں ہو کرتے ہیں البتہ ان کا طور و انداز بدلا ہوا ہوتا ہے اور جسمانی زندگی سے وہ حالت مختلف ہوتی ہے
 عربی موت پر زندگی کا اطلاق چونکہ انسان کے نزدیک زندگی سے مراد جسمانی زندگی ہے اور موت کے مراد

یہ اور ایسی ہی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عرف عام میں جس انفسال فتح و پیغم
 لفظ موت کا اطلاق ہوتا ہے وہ ایسی موت نہیں ہے جس میں مطلق کسی قسم کا احساس و شعور اور شاہدہ حیات موجود
 نہ ہو۔ برعکس اس کے اس حالت میں بھی روح میں زندگی کے وہ تمام آثار موجود ہوتے ہیں جو جسمانی زندگی
 میں ہو کرتے ہیں البتہ ان کا طور و انداز بدلا ہوا ہوتا ہے اور جسمانی زندگی سے وہ حالت مختلف ہوتی ہے
 عربی موت پر زندگی کا اطلاق چونکہ انسان کے نزدیک زندگی سے مراد جسمانی زندگی ہے اور موت کے مراد

جسمانی موت ہے، اور اسی مفہوم کے لئے انسانی زبان میں موت اور حیات کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اس وجہ سے حق تعالیٰ نے بھی اپنے کلام میں عموماً موت اور حیات کو جسمانی موت اور جسمانی حیات کے معنی میں استعمال کیا ہے لیکن بعض مواقع ایسے بھی آئے ہیں جہاں انسان کے اس جاہلانہ خیال کی تردید کرنا ضروری ہو گیا کہ زندگی حقیقت میں جسمانی زندگی ہے اور جسمانی موت حقیقی موت ہے جس میں حیات کا کوئی شائبہ نہیں جب حق کی خاطر جان دینے کا سوال پیش آتا ہے تو یہ جاہلانہ خیال انسان کی سہمت کو سبت کر دیتا ہے۔ وہ اس وقت اپنی جان قربان کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اگر مارے گئے تو زندگی کے مزے چھوٹ جائیں گے اور جسم سے جان نکلے ہی ہم فنا ہو جائیں گے۔ ایسے موقع پر حق تعالیٰ اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ جس کو تم موت کہتے اور سمجھتے ہو وہ حقیقت میں موت نہیں ہے۔ ہماری راہ میں جان بھر تم مطلق عالم مات میں نہ چلے جاؤ گے بلکہ پھر بھی زندہ ہی رہو گے اور ہمارے رزق کے مزے اس حال میں بھی تم کو نصیب ہوں گے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْسَلُونَ - (۱۶:۳)
اور تم ان لوگوں کو مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں
اور تم ان لوگوں کو مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں
بلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ - (۱۹:۲)

ان مواقع پر چونکہ پردہ پڑا رہنے سے ایک بڑی مصلحت فوت ہو رہی تھی، اسلئے حقیقت کو بے نقاب کر دیا گیا۔ مگر غور سے دیکھیے، یہیں کہا کہ جو لوگ نبی سبیل اللہ مارے جاتے ہیں، ان پر وہ موت طاری نہیں ہوتی جس کو عرف عام میں موت کہا جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ ان کی موت کو حقیقی موت نہ سمجھو اور نہ کہو۔ وہ مارے ضرور جاتے ہیں، ان کے جسم سے جان ضرور نکل جاتی ہے۔ وہ دنیا سے رخصت ضرور ہوتے ہیں۔ ان کو دفن بھی کیا جاتا ہے۔ ان کی عورتیں بیوہ اور ان کے بچے یتیم بھی ہو جاتے ہیں۔ ان کے ترکے تقسیم بھی ہوتے ہیں۔ ان تمام

حیثیتوں سے وہ دنیا اور دنیا والوں کے لیے مرجاتے ہیں۔ مگر اس جسمانی موت کے بعد بھی ایک زندگی ہے جو ان کو حاصل رہتی ہے، اور اس کے بعد بھی اللہ کے رزق اور اس کی بخششوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اگرچہ تم کو اس کا شعور نہیں ہے۔

مولانا الم جبر اچوری اس نکتہ کو نہ سمجھ سکے، انہوں نے عرفی موت اور حقیقی موت میں فرق نہ کیا۔ انہوں نے اس مصلحت پر بھی غور نہ کیا کہ خاص شہدار کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اس فرق کو کس لیے واضح کیا ہے۔ ان کی نظر ان آیات کے معانی تک بھی نہ پہنچ سکی جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق شہدار کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام مرنے والوں کے لیے عرفی موت کے بعد بھی ایک روحانی زندگی ہے جس میں احساسِ شعور، سمیع، گو یا ئی وغیرہ قوتیں بدستور باقی رہتی ہیں۔ اس پہلی اور بنیادی غلطی نے ان کو پے در پے غلطیوں میں مبتلا کر دیا اور آخر تک ان کے قیاسات غلط ہوتے چلے گئے۔

برزخ میں روحوں کے مقابلاً جسمانی موت کے بعد روحانی زندگی کا ثبوت مل چکا۔ اب ہم کو آگے بڑھ کر دیکھنا ہے کہ مرنے کے بعد انسانی نفوس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے اور وہ کہاں رکھی جاتی ہیں۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برزخ میں نفوس کے مقام کا انحصار ان کی دنیوی زندگی کے اعمال پر ہے۔ جو نفوس دنیا میں تقویٰ اور عملِ صالح کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں وہ اتنے لطیف ہو جاتے ہیں کہ مقاماتِ رفیعہ کی طرف پرواز کرنے لگتے ہیں جسم سے نکلنے ہی فرشتے ان کو کامیابی کی خوشخبری سنا دیتے ہیں ان کا نام عالم بالا کے دفتر میں لکھا جاتا ہے، اور یوم الفصل کے انتظار کی مدت وہ ایسی بلند منزلوں میں گذرتے ہیں جہاں ان کو حبت کی خوشبوئیں آتی ہیں، بلکہ درحقیقت وہ حبت ہی کی جڑاں منازل ہوتی ہیں۔

۱۲ لَذِیْنَ تَتَوَفَّوْهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَیِّبِیْنَ
 جن لوگوں کی جانیں ملائکہ اس حال میں مقبرے کرتے
 یَقُوْلُوْنَ سَلَامٌ عَلَیْكُمْ اَدْخَلُوْا الْجَنَّةَ
 ہیں کہ وہ پاک تھے، ان سے وہ کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ - (۱۲: ۴)

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَاتَلُوا
أَوْ مَاتُوا لَبُرَّ نِعْمَةً اللَّهُ مِنْهُمْ لِيُذْهِبَ اللَّهُ
عَنْهُمُ الذَّنْبَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ
مَنْ خَلَا بِرِضْوَانِهِ (۲۲: ۸) -

وَلِيَنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَاتُمْ
لِمَغْفِرَةٍ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٍ خَيْرٌ مِمَّا
يَجْمَعُونَ - وَلِيَنْ مُمْ أَوْ قُتِلْتُمْ
لَا إِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ - (۳: ۱۷)

وَجَاءُوا مِنْ أَقْصَاءِ الْمَدْيَنَةِ رَجُلٌ يُنْحَى
قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ... إِنِّي
أَمِنْتُ بِرَبِّي كَمَا أَمِنُوا قِيلَ ذَحْلُ
النَّجَّةِ (۳۶: ۲) -

إِنَّ كِتَابَ الْبُرْجَانِ كَفَىٰ عِلْمَيْنِ وَمَا أَدْرَاكَ

حزب میں داخل ہو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔
اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مارے
گئے یا مر گئے اللہ ان کو اچھا رزق عطا کرے گا اور
میں اللہ ہی بہتر رزق دینے والا ہے۔ وہ ضرور ان کو
جگہ داخل کرے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔

اور یقین رکھو کہ اگر تم راہ خدا میں مارے گئے یا مر گئے
تو اللہ کی مغفرت اور رحمت اس مال و دولت سے بہتر ہے جو
لوگ دنیا میں جمع کرتے ہیں۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے
تو اللہ ہی کی طرف لیجائے جاؤ گے۔

اور ایک شخص شہر کے پرے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور لوگوں
کو لوگو! رسول کی پیروی کرو... میں تمہارے پروردگار
پر ایمان لایا ہوں۔ میری بات سناؤ اس پر لوگوں نے
اسے قتل کر دیا اس سے کہا گیا کہ حنبت میں داخل ہو جاؤ
نیک لوگوں کا دفتر علیین میں ہے اور علیین کو تو کیا جانے

نہ اس آیت اور اوپر والی آیت سے بر بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابین کے ساتھ ایک ہی معاملہ ہوتا ہے اور اس میں شہید

وغیر شہید کا کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز مولانا اسلم جبر جو پوری کے اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ شہداء کے سوا تمام
روحیں برزخ میں اپنے رب کی حضوری سے اڑ میں رکھی جاتی ہیں۔

لے قرآن مجید میں اس شخص کے مارے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے قتل کر دیا گیا تھا
جو شخص روایات کو ظنی اور ناقابل اعتبار سمجھتا ہو اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس شخص کو حنبت میں داخل ہونے کا حکم مرثیے کے بعد

مَا عَلَيُّونَ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ وَيَشْهَدُهُ الْمُرْسَلُونَ
 کہ کیا ہے۔ وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی مقررین اس کی عورتوں
 کرتے ہیں۔ (۹۲)

مخلاف اس کے جو لوگ فتنہ و فحش میں جان دیتے ہیں ان کی رو میں گندی ہو جاتی ہیں ان کے لیے
 مقامات عالیہ کے دروازے نہیں کھلتے جسم سے نکلتے ہی ان پر سختیاں شروع ہو جاتی ہیں ان کو ذلت اور
 مصیبت کے قید خانوں میں رکھا جاتا ہے جہاں ان کو اپنے ہونک انجام کے آثار نظر آنے لگتے ہیں اور وہ
 کٹافٹیں جو دنیوی زندگی کے بڑے اعمال سے انہوں نے سمیٹ لی تھیں ان کو بے چین و بے قرار رکھتی ہیں۔
 اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بَايَاتِنَا وَاَسْتَكْبَرُوْا
 جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان کے مقاب
 عَهَا لَا تَفْتَحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ (۵: ۷)
 میں کبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے۔
 وَلَوْ تَرَى اِذِ يَتَوَقَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَدَائِكَةَ
 اور کاش تو دیکھتا جب کہ ملائکہ ان لوگوں کی جائیں
 يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ
 قبض کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا ہے۔ وہ ان کو ان کے پیچھے
 وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (۷: ۸)
 سے مارتے جلتے ہیں کہ آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔

اِنَّ كِتَابَ الْفَجَارِ لَفِي سَجِيْنٍ وَّمَا اُوْدُنِكَ
 بدکاروں کے نام (قیدیوں کے دفتر) سجن میں لکھے جاتے
 مَا يَسْجُوْنَ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ (۸۳) ہیں۔ اور تو کیا جانے کہ سجن کیا ہے۔ وہ ایک کتاب لکھی ہوئی

ان کے علاوہ متعدد آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسجن پر موت کے بعد ہی سختیاں شروع ہوتی ہیں۔

۱۔ مولانا امجد علی چوہدری نے اس آیت اولیٰ سلسلہ کی ایک دوسری آیت کا مفہوم نہیں سمجھا علیون کے دو معنی ہوتے ہیں۔ یا تو اس سے مراد
 عالیہ ہیں یا عالی مقام لوگ اسی طرح سجن کے مراد یا قید خانہ یا قیدیوں کا گروہ صالحین و ابرار کے نام اس دفتر میں لکھے جاتے ہیں جو
 یسے مخصوص ہے اور فاسجن و فجار کے نام سجن کے دفتر میں مندرج ہوتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نفوس فنا جاتے ہیں اور صرف رحمت
 نام رہ جاتے ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی رو میں علیین و سجن میں داخل ہو جاتی ہیں۔ لگ رہے ہیں کہا جائے کہ ہر سے میں بچا کا نام
 لکھا گیا تو اس کا مطلب نہیں ہوتا کہ بچ غائب ہو گیا اور صرف اس کا نام رحمت میں رہ گیا۔

ہیں۔ مثلاً آل فرعون کے متعلق ارشاد ہے کہ۔

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ لِئَازُرَّ
نَعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ
تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ
أَشَدَّ الْعَذَابِ (۵: ۴۰)

عذاب میں داخل کرو۔

اس آیت کے الفاظ اتنے واضح ہیں کہ مفہوم میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں۔ عاصف معلوم ہوتا ہے کہ

فرق ہوتے ہی آل فرعون کو بے عذاب نہ گھیر لیا۔ اب وہ اِنَّمَا آگ پر پیش کیے جلتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی تو اس سے زیادہ سخت عذاب دیا جائیگا۔ مگر شکل یہی کہ مولانا آئم جیراچوری نے پہلے سے چندان

قائم کر لیے ہیں جو قرآن مجید کی بعض آیات کے غلط مفہوم پر مبنی ہیں اور اب بجائے اس کے کہ وہ ایسی صحت اور صریح آیات کو دیکھ کر ان نظریات میں ترمیم کرتے، وہ گوشش کر رہے ہیں کہ ان کی تاویل کر کے ان غلط نظریوں کے مطابق ڈھالیں۔ یہی وہ ذہنیت ہے جو انسان کو قرآن کا صحیح مفہوم سمجھنے نہیں دیتی۔

اسی کے قریب یعنی وہ آیت کے جو مدینہ اور گرد و پیش کے منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

سَنُعَذِّبُكَ بِصَرَافَتَيْنِ نَسْرًا بَرْدًا وَنَارًا
عَذَابٍ عَظِيمٍ - (۱۳: ۹)

حقیر سیدم ان کو دو مرتبہ عذاب میں گے پھر وہ زیادہ بڑے عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔

یہاں بھی الفاظ صریح اور مفہوم واضح ہے۔ عذاب کے تین مرتبے بتلے ہیں۔ ایک دنیا کا عذاب کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوے اور ان کی ساری تدبیریں ناکام کر دی گئیں۔ دوسرا برزخ کا عذاب اور تیسرا عذاب عظیم جو قیامت کے بعد ہوگا۔ لیکن یہاں پھر مولانا کے نظریات نے ان کو ایک صاف بات سمجھنے سے روک دیا۔

چنانچہ غلط نظریات | مولانا کے نظریات میں پہلا نظریہ یہ ہے کہ وہ برزخ کو مطلق عالم کلمات سمجھتے ہیں جس میں جیسا

کوئی شائبہ نہیں اسی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ برزخ میں نہ راحت ہے اور نہ اذیت لیکن اس کی تائید میں جو آیات انہوں نے پیش کی ہیں وہ ان کے مدعا کی تائید نہیں کرتیں۔ بالفرض اگر قرآن مجید میں مشرکین و کفار کے معبودوں سے مراد انبیاء اولیاء و صلحاء اور دوسرے انسان ہیں جو وفات پا چکے ہیں تب بھی ان آیات سے جو مولانا نے پیش فرمائی ہیں صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ آدمیوں کی پکار نہیں سنتے ان کی دعاؤں سے غافل ہیں اور ان کو جواب نہیں دے سکتے۔ مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ بجائے خود بے حس بے شعور بے علم اور بالکل غافل و بے خبر ہیں؟ اگر وہ اس عالم کی باتیں نہیں سنتے اور اس عالم کے لوگوں کو جواب نہیں دے سکتے تو اس سے یہ نتیجہ کیوں کر نکالا جاسکتا ہے کہ جس عالم میں وہ ہیں وہاں بھی ان میں بولنے اور سننے اور محسوس کرنے کی قوت نہیں ہے؟ پہلے ایک مضمون کی آیات پر غور کیے بغیر ایک غلط نظر قائم کرنا، پھر اس نظریہ کی بنا پر دوسری صریح آیات کی تاویل کرنا، اور الفاظ کو ان کے صاف مفہوم سے پھیرنا وہ طریقہ نہیں ہے جس سے آدمی قرآن مجید کے علوم سے استفادہ کر سکتا ہو۔ قرآن مجید ایک جگہ کہتا ہے کہ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے، اور مُردے تمہاری دعاؤں کا جواب نہیں دے سکتے۔ دوسری جگہ وہی قرآن کہتا ہے کہ فرشتے مُردوں سے باتیں کرتے ہیں اور مُردے ان کو جواب دیتے ہیں۔ کیا ان دونوں باتوں میں کوئی تناقض ہے؟ اگر نہیں تو آپ جس طرح پہلی بات کو مانتے ہیں، اسی طرح دوسری کو بھی ماننے اگر ہے تو تناقض ثابت کیجیے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ”قرآن کی رو سے انسان کے لیے دو ہی موتیں اور دو ہی زندگیاں ہیں۔“ دنیاوی زندگی کے بعد دوسری زندگی حشر کے دن ملے گی نہ کہ قبر میں۔ لہذا اس دنیاوی زندگی کے منقطع ہو جانے کے بعد اہل برزخ میں مطلقاً زندگی کا کوئی شائبہ نہیں۔ یہاں دراصل موت اور حیات کا مفہوم سمجھنے میں مولانا سے لغزش ہوئی ہے۔ جس انفصال جسم و روح پر لفظ موت کا اطلاق کیا گیا ہے اس کے متعلق مولانا نے فرض کر لیا کہ اس میں مطلقاً زندگی کا کوئی شائبہ نہیں، اور زندگی محض اتصال

جسم و روح کا نام ہے لیکن اوپر قرآن مجید کی آیات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ مفروضہ بالکل غلط ہے۔
 قیاس فطریہ بھی ایسا ہی عجیب و غریب ہے۔ ایک آیت میں وارد ہوا ہے کہ مردے جب حشر کے
 دن اٹھائے جائیں گے تو کہیں گے کہ تمہارے کس نے ہم کو ہماری خوب نگاہ سے اٹھا دیا۔ بعض اور آیات میں
 ہے کہ دنیوی زندگی کا قیامت کے درمیان وہ زیادہ سے زیادہ ایک گھڑی کا فصل سمجھیں گے۔ اس سے مولانا نے نتیجہ
 اخذ کیا ہے کہ برزخ میں مردے بالکل غافل و بے خبر پڑے ہوئے ہیں اور ان کو زمانے کا مطلق احساس
 نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے اور عذاب یا ثواب ان پر ہو رہا ہوتا تو اس طویل مدت کو بھول نہ
 جاتے لیکن قرآن میں یہ بھی نوٹس دیا گیا ہے، کہ حشر کے دن لوگ اپنے قیام زمین کی مدت کا اندازہ
 ایک دن یا زیادہ سے زیادہ دس دن لگائیں گے۔ پھر کیا بالکل اسی طرح اس سے نتیجہ نہیں نکالا جا
 سکتا کہ دنیا کی زندگی میں بھی انسان غفلت و بے خبری اور ”مطلق عالم مات“ میں پڑا رہا؟ سوال یہ ہے
 کہ اس قسم کی قیاس آرائیاں کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ جو نتیجہ آپ نکال رہے ہیں وہ قرآن میں مذکور
 نہیں۔ قرآن میں صرف ایک واقعہ کے طور پر یہ بیان ہوا ہے کہ قیامت کے روز جب دوبارہ اجساد
 میں جان ڈالی جائے گی اور لوگ نشأۃ آخرت میں داخل ہوں گے تو ان کو ایسا اور ایسا محسوس ہوگا
 کہ نہیں نہیں کہا گیا کہ اس سے پہلے برزخ میں وہ بے ہوش ابے حس اور مطلق عالم مات میں ہو گئے۔ یہ
 واقعہ پر محض آپ کا اپنا قیاس ہے۔ اور اس قیاس کو آپ اپنی اہمیت دے رہے ہیں کہ قرآن کی ان
 صریح آیات کو جن میں اہل برزخ کی سماعت گویائی اور ان کی راحت یا تکلیف کا ذکر کیا گیا ہے ان کے
 صاف مفہوم سے پھیر کر اس قیاس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا قرآن کو قرآن سے
 بے سمجھنے کا اپنی طریقہ ہے؟ اگر آپ کو قیاس ہی کرنا تھا تو آپ نے یہ قیاس کیوں نہ کیا کہ ایک عالم سے
 عالم میں پہنچنے کے بعد انسان پہلے عالم کو فراموش کر جاتا ہے یا اس کو پہلے عالم کا محض ایک موزوم
 سا خیال رہتا ہے، یا پہلے عالم میں اپنی حالت کے متعلق اس کا اندازہ غلط ہوتا ہے جیسا کہ کذابانہ

کَانُوا يُؤْتُونَكَ مِنْهَا مِنْ قَبْلِهَا وَأَنْتَ كُنْتَ تَارِكًا
 قرآن مجید کے ارشادات سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔

مولانا کا آخری نظریہ ان آیات پر مبنی ہے جن میں صرف دنیا اور آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر ہے، اور برزخ کا ذکر نہیں ہے، اور جن میں صرف دار آخرت کو دارالجزا فرمایا گیا ہے۔ اس سے مولانا یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دنیوی زندگی کے بعد اور قیامت سے پہلے کوئی عذاب و ثواب نہیں ہے لیکن یہ نظریہ متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) ان آیات میں کہیں برزخ کی روحانی زندگی اور اس کے عذاب و ثواب کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ ان میں دنیا و آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر اسی طرح ایک واقعہ کے طور پر کیا گیا ہے جس طرح بعض دوسری آیات میں برزخ کی زندگی اور اس کے عذاب و ثواب کا ذکر عبور واقعہ آیا ہے۔ پھر پہلی قسم کی آیات دوسری قسم کی آیات کے لئے ناقص کیونکر ہو سکتی ہیں؟

۲۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ دارالجزا اور یوم الفصل دراصل دار آخرت ہی ہے لیکن قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ برزخ میں انسان کو ایک طرح کی روحانی زندگی حاصل ہوگی جس میں شور و احساس پایا جائیگا ایسی صورت میں یہ ناگزیر ہے کہ فیصلہ کے دن تک انتظار کرنے کے لئے نفوس انسانی جہاں رکھے جائیں گے وہاں نفوس زکیہ کے لئے راضی اور نفوس ضعیفہ کے لئے اذیت ہے۔ اگرچہ ان کے اعمال کی پوری پوری جزا و سزا ان کو فیصلے کے دن ہی ملے گی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انتظار کی مدت میں دونوں قسم کے نفوس ایک ہی حال میں رکھے جائیں۔

۳۔ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ شہداء کو مرنے کے بعد ہی ثواب ملنا شروع ہو جائے گا اب فرمائیے کہ ثواب یوم الفصل سے پہلے ہے یا اس کے بعد؟ اگر بعد ہو تو کیا شہداء کی قیامت عام لوگوں کی قیامت سے پہلے قائم ہوگی اور اگر یہ ثواب یوم الفصل سے پہلے اور دنیوی زندگی ختم ہونے کے بعد ہی تو آپ کا نظریہ ٹوٹ گیا کیونکہ اس کا ثبوت صحیح نہیں ہے کہ انتظار کی مدت میں نفوس کو رزق عطا ہوتا قرآن مجید کے اس ارشاد کے خلاف نہیں کہ اٰلِیٰ خِرَاطٍ سَرَّادٍ نَفِیْسًا